قسط اوّل

راہِ اتحاد

از قلم

مولانا محمد یوسف رضا قادری

رکن جامعہ حضرت نظام الدین اولیاء نئی دہلی

بانی مسلم یونٹی فاؤنڈیشن، بھیونڈی

قسط اوّل

راہِ اتحاد

از قلم

مولانا محمد یوسف رضا قادری

رکن جامعہ حضرت نظام الدین اولیاء نئی دہلی

بانی مسلم یونٹی فاؤنڈیشن، بھیونڈی

شائع کردہ

رضا اکیڈمی

مسلم یونٹی فاؤنڈیشن

۱۳۶ ر سلیمان بلڈنگ، امام احمد رضا روڈ، کوٹر گیٹ، بھیونڈی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم

قوموں کے عروج وزوال کی تاریخ کا جب ہم مطالعہ کرتے ہیں تو ہم واضح طور پر محسوس کرتے ہیں کہ دنیا کے نقشے میں یہی وہ قوم ہے جس نے بہت کچھ کھویا ہے اور زیادہ نقصان برداشت کیا ہے اس قسم کا ماضی نہایت تابناک اور عظیم الشان تھا اتنا عظیم الشان کہ اس پر ہم جتنا فخر کریں کم ہے ماضی میں قوم مسلم پر خالق کائنات کی خصوصی نوازشات تھیں اور خدائے قدیر کی تائید وحمایت کے سہارے یہ قوم اسلام کے اسم اعظم سے آفاق کو تسخیر کرتی چلی جارہی تھی جس کے نتیجہ میں بہت تھوڑے عرصے میں کئی براعظموں پر اسلام کی عظمتوں کے پھریرے لہرانے لگے اور اسلام دنیا کا سب سے مقبول مذہب اور مسلمان سب سے بڑی فاتح قوم بن گئے۔ اس دور کی سوپر پاور طاقتیں قیصر وکسریٰ فاقہ کش مجاہدین اسلام کے سامنے سر نگوں ہوگئیں۔ اسلام اپنے مقدس اصولوں کی بنیاد پر ایک سیل رواں بن گیا جس کے آگے دنیا کی کوئی طاقت بند نہ باندھ سکی، وہ دور مسلمانوں کے لئے مذہبی، تعلیمی، سیاسی، ثقافتی، تہذیبی ہر اعتبار سے عروج کا دور تھا۔ خدا کی جانب سے پیغمبر اسلام مکین گنبد خضرا جناب محمد رسول اللہ ﷺ سے وفاداری کا یہ عظیم صلہ تھا۔

مگر جب قوم مسلم کا تعلق مکین گنبد خضرا سے کمزور پڑ گیا اور اس نے قرآن اصولوں سے اپنے آپ کو آزاد کرلیا بس اسی وقت سے اس کا زوال شروع ہوگیا اور قرآن اور صاحب قرآن سے وفاداری اور بے وفائی ہر دو عمل کا نتیجہ ہم نے دیکھ لیا۔

طریق مصطفےٰ کو چھوڑنا ہے وجہ بربادی　　　اسی سے قوم دنیا میں ہوئی بے اقتدار اپنی

آج ہم جس مقام پر کھڑے ہیں یہ ہماری تاریخ کا بالکل انوکھا حادثہ ہے۔ ماضی میں عالمی سطح پر ہم کبھی اتنے بے وقار نہیں ہوئے جتنا آج ہیں، ماضی میں ہم فاتح، غالب، حاکم تھے مگر آج مفتوح مغلوب محکوم ہیں۔ ہماری راتیخ کا یہ کتنا دردناک حادثہ ہے کہ کل تک ہم دنیا کی امامت کیا کرتے تھے اور آج ہم دنیا کی ٹھوکروں میں ڈال دیے گئے ہیں۔ اسلام کی معنوی سرچشموں سے دوریہ نے ہمیں کتنی کربناک سزا دی ہے! ہماری بے بسی کا حال یہ ہے کہ دنیا میں کم وبیش ۵۲ ممالک مسلمانوں کے ہیں مگر اس کے باوجود ہم آج تک بیت

المقدس کو یہودیوں کے تسلط سے آزاد نہ کرا سکے اور خدا کے اس مقدس گھر، مسلمانوں کے قبلۂ اول اور بے شمار انبیاء کرام کی آرام گاہ کی حرمت یہودیوں کے ہاتھوں پامال ہورہی ہے۔اور عالم اسلام کے سیاسی حالات ایسے ہیں کہ اگر مسبب الاسباب غیب سے کوئی سبب پیدا فرمادے تو الگ بات ہے ورنہ بظاہر صدیوں تک اس کی آزادی کے آثار نظر نہیں آتے۔
بیت المقدس کی بازیابی کے لئے جو نہتے مجاہدین فلسطین کی سرزمین پر اسرائیلی ظالموں سے مقابلہ کررہے ہیں ان کی بے بسی کا حال یہ ہے کہ وہ بندوقوں اور توپوں کا مقابلہ سنگریزوں سے کررہے ہیں اور سارا عرب بے حسی کا مجسمہ بنا تماشہ دیکھ رہا ہے، عالم اسلام کا مرکز حجاز (جسے اب سعودیہ کہا جاتا ہے) جو کسی زمانہ میں طاقت وقوت کا ایسا مرکز تھا کہ دوسری سرزمینوں سے جب مظلوم پکارتے تو ان کی امداد ومعاونت اور ظالموں کو کیفر کردار تک پہنچانے کے لئے حجاز مقدس سے مجاہدین اسلام کا لشکر روانہ کیا جاتا تھا، ایک زمانہ تک مرکز اسلام کی یہ خصوصیت باقی رہی مگر کئی دہائیوں سے سعودیہ کے جو حالات ہیں عالم وہ عالم اسلام کے لئے نہایت تشویش ناک ہیں، بظاہر بھلے ہی فہد نام کا کوئی مسلم حکمراں آپ کو تخت نشین نظر آرہا ہو لیکن فی الحقیقت مرکز اسلام پر سارا کنٹرول یہود ونصاریٰ کی ہے اور فہد اپنی مرضی سے کچھ نہیں کرسکتا، وہ تو صرف دشمن طاقتوں کا آلۂ کار ہے، یہی وجہ ہے کہ بیت المقدس کی آزادی کی تحریک کو سعودی حکومت کی جانب سے کوئی خاص تعاون نہیں دیا جارہا ہے اور یہ تعاون ملے بھی کیوں؟ جب کہ بیسویں صدی عیسوی کے اوائل میں برطانوی وسعودی خفیہ معاہدہ کے تحت ہی قیام اسرائیل کی راہ ہموار ہوئی تھی ـــــــ

اس وقت پورا عالم اسلام یہود ونصاریٰ کی سازشوں کا شکار ہے۔مسلمانوں کا دائرہ تنگ کیا جارہا ہے، اسلام کو قیام امن کے لئے خطرہ بتایا جارہا ہے اور اس پر بے بنیاد الزامات لگا کر دنیا کو اس سے متنفر کرنے کی کوشش کی جارہی ہے، چونکہ آج میڈیا پر اسلام دشمن طاقتوں کا قبضہ ہے اس لئے اس کا بھی اسلام اور مسلمانوں کے خلاف غلط استعمال کیا جارہا ہے۔ انٹرنیٹ کے ذریعہ بھی اسلام دشمن طاقتیں اسلام کو نقصان پہنچارہی ہیں۔ مذہب کے حوالہ سے اس وقت انٹرنیٹ پر تقریباً ساڑھے چار لاکھ ویب سائٹس ہیں جن میں سے تقریباً دولاکھ ویب سائٹس عیسائیت کی معلومات اور اس کے تبلیغی مشن کے لئے مخصوص ہیں جس کے مقابلہ

میں اسلام کے حوالہ سے صرف چند ہزار ویب سائٹس ہیں۔ غرضیکہ ہمارا دشمن ہمیں تباہ و برباد کرنے کے لئے ہر حربہ استعمال کر رہا ہے۔

ہندوستان میں بھی ہماری تباہی کے خطرناک منصوبے بنائے گئے ہیں اور بعض تنظیمیں خصوصاً آر۔ ایس۔ ایس وغیرہ اس پر کام کر رہی ہیں اور سنگھ پریوار کی قیادت میں یہ مشن آگے بڑھ رہا ہے۔ ان کے عزائم کیا ہیں اس کا اندازہ لگانے کے لئے مفکر اسلام حضرت مولانا یٰسین اختر مصباحی صاحب کی کتاب ''ہندوتو اور ہندوستانی مسلمان'' اور سنگھ پریوار کا اکیس نکاتی فارمولہ'' کا مطالعہ کافی ہوگا۔ خدا کا شکر ہے کہ حالیہ الیکشن ۲۰۰۴ء میں بی۔ جے۔ پی شکست کھا گئی۔ اور اقتدار میں نہ آسکی ورنہ سنگھ پریوار کا مشن حکومت وقت کی پشت پناہی میں پروان چڑھتا رہتا نیز مسلمانوں کی لاشوں پر اقتدار کی دیوار کھڑی کرنے کا کامیاب تجربہ انھیں حاصل ہو جاتا اور پھر پورے ملک کو وہ فرقہ پرستی کی آگ سے گجرات بنا دیتے مگر حالیہ الیکشن میں شکست نے بی۔ جے۔ پی کے لیڈروں کو یہ احساس دلا دیا کہ اپنے مشن کی بنیاد پر وہ ملک کی جنتا کے نزدیک کتنے مکروہ اور ناپسندیدہ ہیں کہ جس سرزمین پر مسلم لاشوں پر اقتدار قائم کرنے کا ناپاک تجربہ انھوں نے کیا خود اس سرزمین پر بی۔ جے۔ پی۔ کا جو حشر ہوا اس سے انھیں اس بات کا یقین ہو جانا چاہئے کہ مظلوموں کی آہوں نے ظالموں کے آشیانوں کو خاکستر کر دیا۔ ریاست میں تو ان کی حکومت اس لئے قائم ہو گئی کہ انھوں نے اسمبلی کا الیکشن ایسے وقت میں کرایا جب مظلوموں کے نشیمنوں سے دھواں اٹھ رہا تھا اور وہ اپنے عزیزوں کی جلی کٹی لاشوں کو گور غریباں پہنچا بھی نہ پائے تھے۔ ریلیف کیمپوں کے خیمے اکھاڑے بھی نہ جا سکے تھے اور نہ ہی یتیموں اور بیواؤں کی آنکھوں سے آنسو تھمے تھے۔ ایسے حالات کا فائدہ اٹھا لینا بھی ایک ظالم قوم ہی کی سرشت ہو سکتی ہے۔

بہر حال! عالم اسلام ان دنوں نہایت نازک حالات سے دوچار ہے اور ہندوستان میں بھی مسلمانوں کو سنگین مسائل کا سامنا ہے۔ ان حالات میں وقت کی ضرورت ہے کہ مسلمان اپنی صفوں میں اتحاد و اتفاق پیدا کریں تا کہ ہم اپنی بقاء کی جنگ لڑ سکیں اور درپیش چیلنج کا مقابلہ کر سکیں۔ اتحاد و اتفاق کی اہمیت و افادیت اس حد تک ہے کہ قرآن عظیم نے اس کی تاکید ان لفظوں میں فرمائی واعتصموا بحبل اللہ جمیعا ولا تفرقوا۔

ترجمہ: اور اللہ کی رسی مضبوط تھام لو سب مل کر اور فرقوں میں نہ بٹو۔

اور سورہ انفال میں اللہ تعالی ارشاد فرماتا ہے۔

واطیعوا الله ورسوله ولا تنازعوا فتفشلوا وتذهب ریحکم واصبروا ط ان الله مع الصبرین

ترجمہ: اور اللہ اور اس کے رسول کا حکم مانو اور آپس میں جھگڑو نہیں کہ پھر بزدلی کرو گے اور تمہاری بندھی ہوئی ہوا جاتی رہے گی۔ اور صبر کرو بے شک اللہ صبر والوں کے ساتھ ہے۔"

لیکن آج بدقسمتی سے ہمارے اندر فرقہ بندیاں ہیں اور مسلکی اختلاف نے ہمیں کئی گروہوں میں بانٹ دیا ہے جس سے ہماری اجتماعی قوت کمزور پڑ گئی اور اب ہم اس پوزیشن میں نہیں ہیں کہ اسلام دشمن طاقتوں کے حملوں کا دندان شکن جواب دے سکیں۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ مسلکی اختلاف نے مسلمانوں کو بہت نقصان پہنچایا ہے اور اس اختلاف کا اثر زندگی کے ہر شعبہ میں نظر آرہا ہے۔ جزئی فرعی اختلاف مثلاً اختلاف احناف وشوافع تو رحمت ہے مگر صراط مستقیم اور طریق اہل سنت وجماعت سے انحراف کھلی ہوئی گمراہی وبدمذہبی ہے جس کا ہندوستان میں کچھ زیادہ اثر اور غلبہ ہے۔ آج مہد سے لے کر لحد تک زندگی کے بے شمار گوشے میں سنی، دیوبندی اختلافات اپنا رنگ دکھا رہے ہیں۔ شرک اور بدعت کے فتاوی نے مسلمانوں کو آپس میں ایسا لڑا رکھا ہے کہ خدا معلوم یہ جنگ کب ختم ہوگی؟

فی الحال اسلام کے نام لیواؤں کی مثال ایسی ہے گویا ایک مکان میں کئی لوگ رہتے ہیں اور وہ سب آپس میں لڑ رہے ہیں اور ان کا دشمن عنقریب مکان پر حملہ آور ہو کر مکان کی اینٹ سے اینٹ بجادے گا اور ان سب کو تباہ و برباد کردے گا کیا ایسی صورت میں ضروری نہیں ہے کہ سارے مکین متحد ہو کر دشمن کی سازشوں کو ناکام بنادیں مگر ان کا حال یہ ہے کہ پیش آنے والے حادثے کے نتائج سے بے نیاز ہیں اور آپس میں دست وگریباں ہیں۔ ایسی حالت میں ان کا دشمن ان کے اختلاف سے فائدہ اٹھا کر انھیں کتنا نقصان پہنچا سکتا ہے ہر ہوش مند آدمی اس کا اندازہ کرسکتا ہے۔

اختلاف کیسے دور ہو...؟

یوں تو امت مسلمہ میں بہت سارے فرقے پیدا ہو گئے ہیں مگر ہم اس وقت صرف سنی اور دیوبندی اختلاف کا جائزہ لیں گے اس لئے کہ حنفیت کی جو قدر مشترک دونوں کے درمیان عام طور پر سمجھی جاتی ہے اس کی بنیاد پر اتحاد کی قوی امید ہے اور ہندوستان میں اگر یہ دو گروپ ایک ہو جائیں تو ایک مضبوط متحدہ پلیٹ فارم وجود میں آسکتا ہے اس لئے کہ ہندوستانی مسلمانوں کی بہت بڑی تعداد اور قدیم آبادی ان دو گروہ میں ہی منقسم ہوئی ہے۔

سب سے پہلے ہمیں اس بات کا جائزہ لینا ہوگا کہ آخر علمائے بریلی اور علمائے دیوبند میں اختلاف کیسے پیدا ہوا؟ اور اس کے اسباب کیا ہیں؟ اور اب اسے دور کر کے دونوں کو کیسے ایک نقطۂ اتحاد پر لایا جاسکتا ہے؟ جس کے لئے ضروری ہے کہ سب سے پہلے ہم اختلاف کی بنیادوں کو تلاشیں اور پھر فیصلہ کریں کہ غلطی پر کون ہے اور کون سا گروہ بعد میں پیدا ہوا؟ اس لئے کہ جو گروہ بعد میں پیدا ہوا وہی اختلاف کا ذمہ دار ہے اور اتحاد کی خاطر اب اسے اپنی اصلاح کرنی چاہیے تا کہ امت کا ایک سنگین مسئلہ حل ہو سکے۔

بعض لوگ اس بات کے قائل ہیں کہ گڑے مردے اکھاڑنے سے کیا فائدہ؟ بس ویسے ہی اختلافات کو بالائے طاق رکھ کر دونوں کو ایک ہو جانا چاہیے مگر اس طرح سے اتحاد کبھی ممکن نہیں ہوگا اور اتحاد کی ساری کوششیں رائیگاں جائیں گی۔ کیوں کہ اختلاف کے سبب کو دور کئے بغیر اتحاد کیسے ممکن ہے؟ اسے آپ یوں سمجھئے کہ اگر ایک کنویں میں ایک کتا گر کر مر جائے اور کنویں کا پانی ناپاک ہو جائے تو کیا کنویں کو پاک کرنے کے لئے صرف پانی نکال کر پھینکنا طہارت کے لئے کافی ہوگا؟ ہرگز نہیں بلکہ کنویں کو پاک کرنے کیلئے ضروری ہے کہ کتے کی لاش جو ناپاکی کا سبب ہے پہلے اسے کنویں سے نکال لیا جائے اس کے بعد پانی نکالنے کا عمل حصول طہارت کے لئے سود مند ہو سکتا ہے۔ اب اگر آپ اس حقیقت کے قائل ہو گئے ہیں تو سب سے پہلے آپ کو اختلافات کے اسباب کو تلاش کرنا ہوگا اور پھر اسے دور کر کے ہم اتحاد و اتفاق کی دولت سے مالا مال ہو سکتے ہیں۔

کیا یہ بنیادی اختلافات ہیں؟

اکثر لوگ یہ ہی سمجھتے ہیں کہ سنی اور دیوبندی اختلاف صرف چند امور کا اختلاف ہے جو یہ ہیں۔ فاتحہ، میلاد، عرس، قیام، صلوۃ واسلام، ندائے یارسول اللہ وغیرہ، جو لوگ یہ سب کرتے ہیں وہ سنی بریلوی ہیں اور جو نہیں کرتے وہ دیوبندی ہیں، مگر یہ سن کر آپ حیرت زدہ رہ جائیں گے کہ اختلاف کی بنیاد یہ امور ہرگز نہیں ہیں۔ اہل سنت وجماعت جو ان امور کے قائل ہیں ان کے نزدیک یہ سارے امور صرف اور صرف استحبابی حیثیت رکھتے ہیں یعنی اگر کوئی شخص یہ کام کبھی کرے کبھی نہ کرے تو وہ ثواب کا مستحق ہے اور جائز سمجھ کر بھی اسے نہ کرے تو اس پر کوئی الزام نہیں۔ اور کوئی شخص اس کے جواز کا قائل نہ بھی ہو تو محض اس بنیاد پر کسی کو کافر یا خارج اسلام قرار نہیں دیا جاسکتا ہے۔

یہاں آپ کے ذہن کی سطح پر یہ سوال پیدا ہورہا ہوگا کہ اگر یہ امور باعث اختلاف نہیں ہیں تو علمائے دیوبند ان امور کو بدعت وحرام کیوں قرار دیتے ہیں؟ تو میں یہاں یہ وضاحت کرنا چاہوں گا کہ ان امور کے جائز اور ناجائز ہونے کے سلسلے میں یقیناً علمائے بریلی اور علمائے دیوبند کے درمیان اختلاف ہے مگر یہ اختلاف فرعی اختلاف ہے بنیادی اختلاف نہیں ہے۔

بنیادی اختلاف کا ذکر ہم بعد میں کریں گے مگر یہاں ان امور کے حوالہ سے میں علمائے دیوبند کر بتانا چاہوں گا کہ علمائے دیوبند تین لوگوں کو اپنا مقتدیٰ اور پیشوا سمجھتے ہیں (۱) مولوی رشید احمد گنگوہی (۲) مولوی قاسم نانوتوی (۳) مولوی اشرف علی تھانوی۔ اور یہ تینوں مرید تھے حاجی امداد اللہ صاحب کے۔ اور حاجی امداد اللہ صاحب ان تینوں کہ نزدیک کتنے بڑے بزرگ تھے اس کا اندازہ اس سے لگایا جاسکتا ہے کہ جب حاجی امداد اللہ صاحب کا انتقال ہوا اور اس کی اطلاع مولوی رشید احمد گنگوہی کو ہوئی تو انھوں نے بڑے رنج وغم اور حزن وملال کے عالم میں کہا" آہ رحمۃ للعالمین" یعنی مولوی رشید گنگوہی نے حاجی امداد اللہ صاحب کو رحمۃ للعالمین قرار دیا جیسا کہ تھانوی صاحب کے ملفوظات کے مجموعہ "حسن العزیز" جلد اول میں ہے۔

"جب حضرت حاجی صاحب کا انتقال ہوا تو ہم نے تو ایک وقت کا بھی کھانا نہیں چھوڑا مگر مولانا (رشید گنگوہی) کو دست لگ گئے کئی روز تک کھانا نہیں کھایا گیا۔ اس زمانہ میں لوگوں نے (رشید گنگوہی سے) اکثر یہی کہتے سنا کہ ہائے "رحمۃ للعلمین"۔ واقعی حضرت کی

شان رحمت ہی رحمت تھی۔''

(حسن العزیز، جلد ا حصہ ۴ صفحہ ملفوظ نمبر 593، مکتبۂ تالیفات اشرفیہ تھانہ بھون۔)

اسی طرح مولوی اشرف علی تھانوی بھی اپنے پیرومرشد حاجی امداد اللہ صاحب کے بے پناہ معتقد تھے۔ وہ حاجی صاحب کے بارے میں کہتے ہیں۔

''ہم تو حضرت حاجی صاحب کو ایسا سمجھتے ہیں کہ اگر کوئی یوں کہے کہ حضرت حاجی صاحب کی پیدائش سے پہلے اور آسمان زمین تھے۔ خدا تعالیٰ نے حاجی صاحب کی خاطر سے نیا آسمان اور نئی زمین پیدا فرمادی تو ہم اس کا بھی یقین کرلیں۔''

(حسن العزیز۔۔ جلد ا حصہ ۴ صفحہ 50 ملفوظ نمبر 593 مکتبۂ تالیفات اشرفیہ تھانہ بھون۔)

اس کے علاوہ بھی بے شمار مقامات پر ان لوگوں نے اپنے پیرومرشد حاجی امداد اللہ صاحب سے اپنی بے پناہ عقیدتوں کا اظہار کیا ہے اور ان کی خوب تعریف وتوصیف کی ہے انھیں ''اعلیٰ حضرت'' کے اعلیٰ لقب سے یاد کیا گیا ہے جیسا کہ تذکرۃ الرشید نامی کتاب میں بار بار حاجی امداد اللہ صاحب کے نام کے ساتھ ساتھ اعلیٰ حضرت لکھا گیا ہے نیز اس کے علاوہ بھی حاجی امداد اللہ صاحب کو شیخ العرب والعجم، حجۃ اللہ فی الارض وغیرہ کہا گیا ہے بلکہ تھانوی صاحب نے یہاں تک کہا ہے کہ اگر ایک طرف جنید بغدادی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور ایک طرف ہمارے حاجی صاحب ہوں تو ہم جنید بغدادی کی طرف نظر بھی نہ اٹھا کر دیکھیں۔

بہر حال مذکورہ حوالوں سے ان لوگوں کے نزدیک حاجی امداد اللہ صاحب کا مقام و مرتبہ کیا ہے اس کا آپ نے خوب اندازہ کرلیا ہوگا۔

اعلیٰ حضرت حاجی امداد اللہ کون تھے

مگر اس سنسنی خیز انکشاف کے بعد آپ پر سکتہ کی کیفیت طاری ہوجائے گی کہ یہ تینوں مرید (مولوی رشید گنگوہی، مولوی قاسم نانوتوی، مولوی اشرف علی تھانوی) جن امور (فاتحہ، عرس، میلاد، قیام، ندائے یارسول اللہ وغیرہ) کو بدعت وحرام کہتے تھے حاجی امداد اللہ صاحب وہ سب کچھ کرتے تھے۔ ان کا حال یہ تھا کہ وہ فاتحہ، عرس، میلاد، قیام، ندائے یا

رسول اللہ وغیرہ سب امور کے قائل تھے، نہ صرف قائل تھے بلکہ عامل بھی تھے اور نہ صرف عامل تھے بلکہ ان امور کے جواز میں انھوں نے ایک کتاب بھی لکھی ہے جس کا نام ہے ''فیصلہ ہفت مسئلہ''۔ حاجی امداد اللہ صاحب نے اپنی کتاب میں مذکورہ تمام معمولات کو جائز قرار دیا ہے اور اپنے مریدوں کو تنبیہ کی ہے کہ وہ خواہ مخواہ ان معمولات کو لے کر آپس میں نہ الجھیں اور حتی المقدور اختلاف وانتشار سے بچیں۔ ان امور کے سلسلہ میں حاجی امداد اللہ صاحب کا کیا موقف ہے اسے جاننے کے لئے میں چند اقتباسات ان کی کتاب ''فیصلہ ہفت مسئلہ'' سے پیش کر رہا ہوں۔ ملاحظہ فرمائیے۔

میلاد کے بارے میں حاجی امداد اللہ صاحب دلیلیں پیش کرنے اور اس موضوع پر بحث کرنے کے بعد اپنا معمول ان لفظوں میں لکھتے ہیں۔

''اور مشرب فقیر کا یہ ہے کہ محفل مولد میں شریک ہوتا ہوں، بلکہ ذریعۂ برکات سمجھ کر ہر سال منعقد کرتا ہوں اور قیام میں لطف ولذت پاتا ہوں۔''

(فیصلہ ہفت مسئلہ، مؤلفہ حاجی امداد اللہ مہاجر مکی)

اسی طرح فاتحہ کے بارے میں اپنے موقف کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''اس میں بھی وہی گفتگو ہے جو مسئلہ مولد میں مذکور ہوئی جس کا خلاصہ یہ ہے کہ نفس ایصالِ ثواب ارواح میں کسی کو کلام نہیں، اس میں بھی تخصیص وتعیین کو موقوف علیہ ثواب کا سمجھے، یا واجب، فرض اعتقاد کرے تو ممنوع ہے اور اگر یہ اعتقاد نہیں بلکہ کوئی مصلحت، باعث تقیید ہیئت کذائیہ ہے، تو کچھ حرج نہیں جیسا بمصلحت نماز میں سورت خاص معین کرنے کو فقہاء محققین نے جائز رکھا ہے اور تہجد میں اکثر مشائخ کا معمول ہے۔

اور تامل سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ سلف میں تو یہ عادت تھی کہ مثلاً کھانا پکا کر مسکین کو کھلا دیا اور ایصال ثواب کی نیت کرلی، متاخرین میں کسی کو خیال ہوا کہ جیسے نماز میں نیت، ہر چند دل سے کافی ہے، مگر موافقت قلب ولسان کے لئے عوام کو زبان سے کہنا بھی مستحسن ہے۔ اسی طرح اگر یہاں زبان

سے کہہ لیا جائے کہ یا اللہ اس کھانے کا ثواب فلاں شخص کو پہنچادے تو بہتر ہے۔ پھر کسی کو خیال ہوا کہ لفظ اس کا مشار الیہ، اگر روبرو موجود ہوتا تو زیادہ استحضار (وحضوری) قلب ہو، کھانا روبرو لانے لگے۔ کسی کو خیال ہوا کہ یہ ایک دعاء ہے اگر کچھ کلام الٰہی پڑھا جاوے تو قبولیت دعا کی بھی امید ہے اور اس کلام کا ثواب بھی پہنچ جاوے گا۔ جمع بین العبادتین ہے (ولہذا) قرآن شریف کی بعض سورتیں بھی جو لفظوں میں مختصر اور ثواب میں بہت زیادہ ہیں پڑھی جانے لگیں۔ کسی نے خیال کیا۔ دعا کے لئے رفع یدین سنت ہے۔ ہاتھ بھی اٹھانے لگے۔ کسی نے خیال کیا کھانا جو مسکین کو دیا جائے گا اس کے ساتھ پانی دینا بھی مستحسن ہے پانی پلانا بڑا ثواب ہے اس لئے پانی کو بھی کھانے کے ساتھ رکھ لیا۔ پس یہ ہئیت کذائیہ حاصل ہوگئی۔

رہا تعین تاریخ تو یہ بات تجربے سے معلوم ہوتی ہے کہ جو امر کسی خاص وقت میں معمول ہو تو اس وقت وہ یاد آجاتا ہے اور ضرور ہو رہتا ہے اور نہیں تو سال ہا سال گذر جاتے ہیں کبھی خیال بھی نہیں آتا۔ اسی قسم کی مصلحتیں، ہر امر میں ہیں جن کی تفصیل طویل ہے۔ محض بطور نمونہ تھوڑا سا بیان کیا گیا ہے۔ ذہین آدمی غور کر کے سمجھ سکتا ہے۔

اور قطع نظر مصالح مذکورہ کے ان میں بعض اسرار بھی ہیں، پس اگر یہی مصالح بنائے تخصیص ہوں تو کچھ مضائقہ نہیں۔ رہا عوام کا غلو تو اولاً اس کی اصلاح کرنی چاہیے اس عمل سے کیوں منع کیا جائے۔۔۔۔۔۔۔ اور گیارہویں حضرت غوث پاک قدس سرہ کی اور دسواں، بیسواں، چہلم، ششماہی، سالانہ وغیرہ۔ اور توشۂ حضرت شیخ احمد ردولوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اور سہ منی حضرت شاہ بوعلی قلندری رحمۃ اللہ علیہ وحلوائے شب برأت اور دیگر طریق ایصال ثواب کے اسی قاعدے پر مبنی ہیں۔

اور مشرب اس فقیر کا یہ ہے کہ فقیر پابند اس ہئیت کا نہیں ہے مگر کرنے والوں کا انکار نہیں کرتا اور یہی عملدر آمد مسئلہ میں رکھنا چاہیے یعنی دو فریقوں کا باہم

مل جل کر رہنا اور مباحثہ قیل وقال نہ کرنا۔ اور ایک دوسرے کو وہابی، بدعتی نہ کہنا، اور عوام کو غلو اور جھگڑوں سے منع کرنا سب بحث مولد میں گذر چکا۔

عرس کے بارے میں حاجی امداداللہ صاحب اپنا موقف بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''لفظ عرس ماخوذ اس حدیث سے ہے نم کنومۃ العروس یعنی بندہ صالح سے کہا جاتا ہے کہ عروس کی طرح آرام کرو'' کیونکہ موت مقبولان الٰہی کے حق میں وصال محبوب حقیقی ہے۔ اس سے بڑھ کر کون عروسی ہوگی۔ چونکہ ایصال ثواب بروح اموات مستحسن ہے۔ خصوصاً جن بزرگوں سے فیوض وبرکات حاصل ہوئے ہیں ان کا زیادہ حق ہے۔ اور پھر اپنے پیر بھائیوں سے ملنا، موجب اذدیاد محبت وتزائد برکات ہے، چونکہ بعض طریقوں میں سماع کی عادت ہے، اس لئے تجدید حال اور زیادہ ذوق وشوق کے لئے کچھ سماع بھی ہونے لگا ہے۔ پس اصل اعراس کی اس قدر ہے اور اس میں کوئی حرج نہیں معلوم ہوتا۔ بعض علماء نے بعض حدیثوں سے بھی اس کا استنباط کیا ہے۔ رہ گیا شبہ حدیث لاتتخذو قبری عیدًا کا سو اس کا صحیح معنی یہی ہے کہ قبر پر میلہ لگانا۔ خوشیاں کرنا، اور زینت وآراستگی، ودھوم دھام یہ ممنوع ہے۔ کیوں کہ زیارت مقابر واسطے عبرت اور تذکرۂ آخرت کے ہے۔ نہ غفلت اور زینت کے لئے۔ اور یہ معنی نہیں کہ کسی قبر پر جمع ہونا منع۔ ورنہ مدینہ طیبہ قافلوں کا جانا، واسطے زیارت روضۂ اقدس کے بھی منع ہوتا۔ وھذا باطل۔

پس حق یہ ہے کہ زیارت مقابر، انفراداً واجتماعاً دونوں طرح جائز اور ایصال ثواب وطعام بھی جائز۔ اور تعیین تاریخ، مصلحۃً بھی جائز۔ تو سب مل کر بھی جائز رہا۔ یہ شبہ کہ وہاں پکار کر سب قرآن شریف پڑھتے ہیں اور آیۂ فاستمعوا لہ وانصتوا کی مخالفت ہوتی ہے۔ سو اولاً تو علماء نے لکھا ہے کہ خارج نماز کے لیے یہ امر مستحبات کے لئے ہے۔ ترک مستحب پر اتنا شوروغل نامناسب ہے۔ ورنہ لوگوں کا مکاتب میں پڑھنا ممنوع ہوگا۔

دوسرے اگر کسی کو یہی تحقیق ہو کہ یہ وجوب عام ہے تو اصل عمل کے منع کرنے سے یہ بہتر ہے کہ امر تعلیم کر دیا جائے۔ یہی جواب ہے۔ سوم میں قرآن پکار کر پڑھنے کا۔" (فیصلہ ہفت مسئلہ)

ان اختلافی امور کے سلسلے میں حاجی امداد اللہ صاحب کا واضح موقف آپ نے ملاحظہ فرمالیا۔

ایک مرید باوفا کی کہانی

ان تینوں (مولوی رشید احمد گنگوہی، مولوی قاسم نانوتوی، مولوی اشرف علی تھانوی) مولویوں کے علاوہ بھی بہت سارے علماء حاجی امداد اللہ صاحب کے مرید تھے اور اپنے پیر و مرشد کے نہایت وفادار تھے۔ ان میں سے ایک مرید خاص کا ذکر یہاں مفید ہوگا جنھیں حضرت مولانا عبدالسمیع رامپوری (رام پور میں منیہاران، ضلع سہارن پور میں واقع ہے) کہا جاتا ہے۔ حضرت مولانا عبدالسمیع رامپوری نے جب یہ دیکھا کہ میرے پیر بھائی (مولوی رشید احمد گنگوہی، مولوی قاسم نانوتوی، مولوی اشرف علی تھانوی) اپنے ہی پیر و مرشد کے معمولات کو ناجائز و حرام اور بدعت قرار دے کر پیر و مرشد سے بغاوت کر رہے ہیں تو انھوں نے ان معمولات کے جواز میں ایک نہایت مدلل و مستند کتاب بنام "انوار ساطعہ" لکھی جس میں فاتحہ، عرس، میلاد، قیام، وغیرہ کے جواز پر بڑی جان دار بحثیں کی ہیں اور اپنے ان تینوں (مولوی رشید احمد گنگوہی، مولوی قاسم نانوتوی، مولوی اشرف علی تھانوی) پیر بھائیوں کے موقف کا رد کیا ہے جو ان معمولات کو بدعت و حرام کہتے تھے۔ ان کی یہ کتاب عرب و عجم میں نہایت مقبول ہوئی اور اس دور کے بڑے بڑے اصحاب علم و فضل نے اس کتاب پر تقریظ لکھ کر کتاب اور اس کے مصنف کو سند اعتماد عطا فرمایا۔ جن علماء نے اس وقت انوار ساطعہ پر تقریظ لکھی وہ حسب ذیل ہیں۔

(۱) حضرت علامہ رحمت اللہ کیرانوی (۲) حضرت علامہ محمد لطف اللہ صاحب علی گڈھی
(۳) حضرت علامہ فیض الحسن صاحب سہارن پوری (۴) حضرت علامہ غلام دستگیر قصوری
(۵) حضرت علامہ ارشاد حسین رامپوری (۶) حضرت علامہ الشاہ احمد رضا خاں بریلوی
(۷) حضرت علامہ عبدالقادر بدایونی (۸) حضرت علامہ محمد ابوالبرکات غازی پوری

(۹) حضرت علامہ عبدالحمید لکھنوی (۱۰) حضرت علامہ عبدالحئ صاحب لکھنوی فرنگی محلی (۱۱) حضرت علامہ عبدالحق صاحب مؤلف تفسیر حقانی (۱۲) حضرت الشاہ حاجی امداداللہ مہاجر مکی

اس فہرست پر نظر ڈال کے آپ اچھی طرح اندازہ کر سکتے ہیں کہ حضرت علامہ عبدالسمیع رامپوری صاحب کے ساتھ کیسے کیسے جلیل القدر علماء تھے؟ اور کئی علماء تو ان میں سے شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی کے شاگرد ہیں۔ ان میں سے اگر انوار ساطعہ پر کسی کی تقریظ نہ ہوتی اور صرف حضرت علامہ رحمت اللہ کیرانوی صاحب کی تقریظ ہوتی تب بھی امت کے اعتماد کے لئے کافی تھا اس لئے کہ حضرت علامہ رحمت اللہ کیرانوی علم و فضل کے وہ جبل شامخ ہیں کہ جب یہ ہندوستان سے ہجرت کر کے حجاز مقدس گئے تو علمائے حرمین شریفین نے انھیں پایۂ حرمین تسلیم کیا اور اعلم علماء بلد قرار دیے گئے۔ مکہ معظمہ کی سرزمین پر آپ نے مدرسہ صولتیہ قائم فرمایا اور عیسائی پادری Rev CCP Fonder سے آگرہ میں کامیاب مناظرہ کیا اور عیسائیوں کے رد میں عربی زبان میں ''اظہار الحق'' نامی معرکۃ الآرا کتاب لکھی۔ دیوبندی بھی ان کے علم و فضل کے قائل ہیں جیسا کہ براہین قاطعہ میں بھی ان کا ذکر ان کے علم و فضل کے حوالہ سے کیا گیا ہے۔

انوار ساطعہ پر علامہ رحمت اللہ کیرانوی کی جو تقریظ ہے اس کے بعض حصے یہاں نقل کئے جاتے ہیں ملاحظہ فرمائیں۔ انور ساطعہ کی ثقاہت کا ذکر کرتے ہوئے حضرت کیرانوی لکھتے ہیں:

> ''اس رسالہ کو میں نے اول سے آخر تک اچھی طرح سنا۔ اسلوب عجیب اور طرز غریب، بہت ہی پسند آیا۔ اس کے وصف میں کچھ لکھوں تو لوگ اسے مبالغہ پر عمل کریں گے اس لئے اسے چھوڑ کر دعا پر اکتفا کرتا ہوں کہ خدا تعالی اس کے مصنف کر اجر جمیل اور ثواب جزیل عطا فرماوے۔ اور اس رسالہ سے منکروں کے تعصب بے جا کو توڑ کے ان کو راہ راست پر لاوے اور مصنف کے علم اور فیض اور تندرستی میں برکت بخشے اور میرے اساتذۂ کرام کا اور میرا عقیدہ مولد شریف کے باب میں قدیم سے یہی تھا اور یہی ہے۔''

(انوار ساطعہ، صفحہ 314 مکتبہ مجتبائی دہلی)

تقریظ کے اس حصے میں علامہ رحمت اللہ کیرانوی نے جہاں مصنف کو دعاؤں سے نوازا وہیں کتاب کے مضامین سے اپنے اتفاق کا اظہار بھی کیا۔ ساتھ ہی میلاد شریف کے بارے میں اپنا اور اپنے اساتذۂ کرام کے مسلک کی وضاحت بھی کر دی کہ وہ انوار ساطعہ کے مطابق ہے۔ اس کے بعد مزید وضاحت کرتے ہوئے اپنی تقریظ میں لکھتے ہیں۔

''اور عقیدہ یہ ہے کہ انعقاد مجلس میلاد بشرط کہ منکرات سے خالی ہو جیسے تغنی اور باجا اور کثرت سے روشنی بے ہودہ نہ ہو بلکہ روایات صحیحہ کے موافق ذکر معجزات اور ذکر ولادت حضرت ﷺ سے کیا جاوے اور بعد اس کے اگر طعام پختہ یا شیرینی بھی تقسیم کی جائے تو اس میں کچھ حرج نہیں۔''

(انوار ساطعہ، صفحہ 314 مکتبہ مجتبائی دہلی۔)

اس کے بعد مجلس میلاد کی ترغیب دیتے ہوئے نصیحت کے یہ الفاظ رقم فرماتے ہیں۔ ''میں مسلمان بھائیوں کو بطور نصیحت کے کہتا ہوں کہ ایسی مجلس کے کرنے سے نہ رکیں اور اقوال بیجا منکروں کی طرف سے جو تعصب سے کہتے ہیں ہرگز التفات نہ کریں۔ اور تعین یوم میں اگر یہ عقیدہ نہ ہو کہ اس دن کے سوا اور دن جائز نہیں تو کچھ بھی حرج نہیں اور جواز اس کا بخوبی ثابت ہے۔''

اس کے بعد میلاد کے وقت قیام کی شرعی حیثیت واضح فرماتے ہوئے لکھتے ہیں۔

''اور قیام وقت ذکر میلاد کے چھ سو برس سے جمہور علماء صالحین نے متکلمین اور صوفیہ صافیہ اور علماء محدثین نے جائز رکھا ہے۔ اور صاحب رسالہ نے اچھی طرح ان امور کا ظاہر کیا ہے۔

اور تعجب ہے ان منکروں سے، ایسے بڑے کہ فاکہانی مغربی کے مقلد ہو کر جمہور سلف صالح کو متکلمین اور محدثین اور صوفیہ سب کو ایک ہی لڑی میں پرو دیا اور ان کو ضال مضل بتلایا اور خدا سے نہ ڈرے کہ اس میں ان لوگوں کے استاد اور پیر بھی تھے مثل حضرت شاہ عبدالرحیم دہلوی اور ان کے

صاحبزادہ شاہ ولی اللہ دہلوی اور ان کے صاحبزادہ شاہ رفیع الدین دہلوی اور ان کے بھائی شاہ عبدالعزیز دہلوی اور ان کے نواسہ حضرت مولانا محمد اسحاق دہلوی قدس اللہ اسرارہم۔ سب کے سب انہی ضال مضل میں داخل ہوئے جاتے ہیں۔ اف ایسی تیزی پر کہ جس کے موافق جمہور متکلمین اور محدثین اور صوفیہ سے حرمین اور مصر اور شام اور یمن میں لاکھوں گمراہی میں ہوں اور یہ چند حضرات ہدایت پر۔ یا اللہ! ہمیں اور ان کو ہدایت کر اور سیدھے رستے پر چلا۔ آمین ثم آمین۔"

(انوار ساطعہ، صفحہ 315 مکتبہ مجتبائی دہلی)

تقریظ کے اس حصہ میں حضرت علامہ کیرانوی نے جہاں تفصیل کے ساتھ علمائے امت کے موقف کی وضاحت فرمائی ہے وہیں ان لوگوں پر چوٹ بھی کی ہے جو لوگ اپنے استاذوں کو شعوری طور پر بدعتی قرار دے رہے تھے۔

انوار ساطعہ پر تقریظ لکھنے اور اپنے مسلک کے اظہار کی بنیاد پر انوار ساطعہ کے مخالفین کی جانب سے متوقع رد عمل کا ذکر کرتے ہوئے یوں رقمطراز ہیں۔

"مجھے یقین ہے کہ جب ان کے ہاتھ سے امام سبکی اور جلال الدین سیوطی اور ابن حجر اور ہزار ہا علمائے تقویٰ شعار خاص کر ان کے استاذوں میں شامل ہوں اور نہ پیروں میں، میں کسی طرح چھوٹوں گا۔ یہ تو ہر طرح سے تفسیق بلکہ تکفیر میں قصور نہ کریں گے۔ پر میں ان کی حرکات سے نہیں ڈرتا اور جو میرے ان اقوال کی تائید اور سند مولف رسالہ نے جابجا تحریر فرمائی ہے اسی پر اکتفا کرتا ہوں۔"

(انوار ساطعہ صفحہ 316 مکتبہ مجتبائی دہلی)

حق کی جلوہ نمائی کا یہ بھی کتنا روح پرور منظر ہے کہ مولوی رشید احمد گنگوہی، مولوی اشرف علی تھانوی، مولوی قاسم نانوتوی کے پیر بھائی حضرت مولانا عبدالسمیع رامپوری نے جہاں دیگر علماء سے اپنی کتاب پر تقریظ لکھوائی وہیں وہ امام احمد رضا محدث بریلوی کی بارگاہ میں بھی تقریظ لکھوانے کی غرض سے پہنچ گئے اور پھر امام احمد رضا نے انوار ساطعہ پر عربی زبان

میں ایسی جامع تقریظ لکھی کہ اہل علم اسے دیکھ کر دنگ رہ جائیں۔ مولانا عبدالسمیع رامپوری نے اپنی کتاب انوار ساطعہ میں امام احمد رضا کو جن القاب سے یاد کیا ہے وہ بھی قابل ذکر ہیں۔ مولانا رام پوری لکھتے ہیں:

" صورۃ مارصعہ الطعطام العزیزو الصلھام الکبیر مفحم المناظرین مسکت المجادلین مروج عقائد اھل الحق والدین قالع اصول المبتدعین فرید العصر وحیدالزمان مولانا محمد احمد رضا خان سلمہ العزیز الرحمن وصان عن نوائب الزمان وخص بلطفہ ماتعاقب الملوان."

(انوار ساطعہ، صفحہ 292 مکتبہ مجتبائی دہلی)

سنی دیوبندی اختلافات کے موضوع پر تحقیق وریسرچ کرنے والے حضرات کے لئے تاریخ کا یہ پہلو بھی بہت اہم ہوگا کہ مولانا عبدالسمیع رامپوری صاحب باوجود اس کے کہ علمائے دیوبند کے پیر بھائی وسہارن پوری ہیں اپنی کتاب پر تقریظ حاصل کرنے کے لئے امام اہل سنت مولانا احمد رضا قادری محدث بریلوی کے آستانہ پر پہنچ گئے۔ کیا یہ اس بات کی علامت نہیں ہے کہ اس وقت بھی امام احمد رضا کی شخصیت ارباب علم وفضل کے نزدیک اور مخالفین کے گروہ میں بھی مسلم تھی نیز تاریخ کے اس گوشہ سے یہ بھی معلوم ہوا کہ امام اہل سنت مولانا احمد رضا کو جن (مولوی رشید احمد گنگوہی، مولوی قاسم نانوتوی، مولوی اشرف علی تھانوی) لوگوں سے شکایت تھی وہ لوگ خود اپنے شیخ کے حلقہ میں باعث انتشار بنے ہوئے تھے اور اپنے پیرومرشد کے عقائد ومعمولات سے بغاوت کر رہے تھے۔ جس پر انوار ساطعہ نامی تصنیف شاہد عدل ہے۔

انوار ساطعہ پر حاجی امداد اللہ صاحب کی تقریظ

بہر حال! اب آخر میں انوار ساطعہ پر علماء دیوبند کے شیخ اور پیرومرشد حضرت الشاہ حاجی امداداللہ صاحب مہاجر مکی کی تقریظ کا ذکر کرنا چاہوں گا۔ یہ تقریظ اختلاف کے تصفیہ کے لئے اس لئے موثر ہے کہ اختلافی امور میں ایک ہی شیخ کے مریدین دو گروہ میں بٹ گئے۔

اب حق وصواب کس کے ساتھ ہے شیخ نے اس کا فیصلہ کردیا۔ واضح رہے کہ ایک گروہ ان عقائد ومعمولات کا قائل ہے جو انوار ساطعہ میں بیان کئے گئے ہیں اور دوسرا گروہ (مولوی رشید احمد گنگوہی، مولوی قاسم نانوتوی، مولوی اشرف علی تھانوی) جو ان عقائد ومعمولات کا مخالف تھا انھوں نے بھی اپنے موقف کو صحیح ثابت کرنے کے لیے "براہین قاطعہ" (مؤلفہ مولوی خلیل احمد انبیٹھوی سہارن پوری ومصدقہ مولوی رشید احمد گنگوہی) نامی کتاب لکھی مگر دوسرا گروہ اپنے موقف کو واضح کرنے والی کتاب براہین قاطعہ پر اپنے شیخ کی تقریظ نہ حاصل کرسکا اور یہ سعادت انوار ساطعہ کے حصے میں آئی۔ اور رحمۃ للعلمین، شیخ العرب والعجم، جنید وقت حاجی امداد اللہ صاحب اختلافی امور میں مولانا عبدالسمیع رامپوری کے ساتھ تھے۔ اس مرید کی اقبال مندی کو سلام کرنے کو جی چاہتا ہے جس کا شیخ خود اس کی حق وصداقت کی گواہی دے رہا ہو۔ جب انوار ساطعہ شیخ کی نظروں سے گذری تو گویا ان کی آنکھیں ٹھنڈی ہوگئیں اور شیخ نے ایسا محسوس کیا گویا کتاب کا مولف ان کے دل کی ترجمانی کر رہا ہو۔ انوار ساطعہ کے موقف اپنے بھرپور اتفاق کے اظہار کے ساتھ ساتھ کتاب کی مقبولیت کے لئے بارگاہ احکم الحاکمین میں حاجی صاحب یوں دعا گو ہوتے ہیں۔

> "انوار ساطعہ کے اکثر مسائل میں فقیر دل سے متفق ہوا تو اللہ تعالی کی جناب میں بہت التجا و دعاء کی کہ یا اللہ! اگر میں ان مسائل میں صراط مستقیم پر ہوں اور حق بجانب ہوں تو اس کتاب کو مقبول دیار وامصار اہل اسلام کر۔"
>
> (انوار ساطعہ، صفحہ 319 مکتبہ مجتبائی دہلی)

انوار ساطعہ کے سلسلہ میں حاجی صاحب نے جو دعا فرمائی تھی اس کی قبولیت کی علامتیں انھیں نظر آئیں۔ جس کا ذکر حاجی صاحب ان لفظوں میں کرتے ہیں۔

> "چنانچہ ظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالی نے اس کو قبول فرمالیا کہ تمام علمائے حرمین شریفین وبلاد اسلام اس کے مسائل میں متفق ہیں اور خود کتاب کو بھی پسند کرتے ہیں۔ ذالک فضل اللہ یوتیہ من یشاء"
>
> (انوار ساطعہ، صفحہ 319 مکتبہ مجتبائی دہلی)

دیکھ رہے ہیں آپ کہ شیخ نے انوار ساطعہ سے اپنے اتفاق کا اظہار کتنے پرشکوہ انداز میں کیا۔

اوراس کی قبولیت کے لئے انھوں نے جو دعاء مانگی تھی وہ بھی بارگاہ رب العلمین میں اجابت کو پہنچی جس کے نتیجہ میں انوار ساطعہ حرمین شریفین میں اور عالم اسلام میں پسند کی گئی اور عالم اسلام کے علماء نے اس کے مسائل سے اتفاق کیا۔

عالم اسلام کے علماء کے اتفاق کی جو گواہی شیخ دے رہے ہیں اگر وہ صداقت پر مبنی ہے تو پھر انوار ساطعہ کے خلاف لکھی جانے والی کتاب ''براہین قاطعہ'' سے مریدوں کو رجوع کر لینا چاہیے۔ بھلا وہ موقف کیوں کر حق ہوسکتا ہے۔ جس سے خود قائلین کے شیخ اور مشائخ عرب وعجم متفق نہ ہوں۔

میلاد کے وقت جو قیام کیا جاتا ہے براہین قاطعہ (مؤلفہ مولوی خلیل احمد انبیٹھوی سہارن پوری ومصدقہ مولوی رشید احمد گنگوہی) میں اسے بھی بدعت وحرام لکھا ہے مگر حاجی امداد اللہ صاحب انوار ساطعہ (مؤلفہ مولانا عبدالسمیع رام پوری سہارن پوری) کی تصدیق کرتے ہوئے اپنا معمول ان لفظوں میں بیان کرتے ہیں۔

> ''میں خود مولود شریف پڑھواتا ہوں اور قیام کرتا ہوں اور ایک روز میرا حال یہ ہوا کہ بعد قیام سب بیٹھ گئے میں بے خبر کھڑا رہ گیا۔ دیر کے بعد مجھے ہوش آیا تب بیٹھا۔''

(انوار ساطعہ، صفحہ 319 مکتبہ مجتبائی دہلی)

جیسا کہ میں نے گذشتہ سطور میں ذکر کیا کہ براہین قاطعہ نامی کتاب جو کہ انوار ساطعہ کے رد میں لکھی گئی مگر حاجی صاحب کی تائید وحمایت اسے حاصل نہ ہوسکی بلکہ براہین قاطعہ سے حاجی صاحب کو جو تکلیف پہنچی اس کا ذکر بھی انھوں نے بڑے قلق کے ساتھ کیا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ جب براہین قاطعہ چھپ کر منظر عام پر آئی تو اس کی بعض توہین رسالت پر مبنی عبارتوں سے ہندوستان کے علماء اور عوام میں نہایت غم وغصہ پیدا ہوگیا اور لوگوں نے حاجی امداد اللہ صاحب کو خطوط لکھے۔ افراد کے ذریعہ پیغام بھیجوایا کہ آپ کے بعض (مولوی رشید احمد گنگوہی، مولوی قاسم نانوتوی، مولوی اشرف علی تھانوی، خلیل احمد انبیٹھوی) مریدین ومتوسلین ہندوستان میں اپنی تحریروں کے ذریعہ انتشار کا باعث بنے ہوئے ہیں اور توہین رسالت کا ارتکاب کر رہے ہیں، آپ انہیں تنبیہ کریں۔ اس طرح کی مسلسل خبریں مکہ معظمہ

میں حاجی امداد اللہ صاحب کو موصول ہو رہی تھیں۔ جس سے حاجی صاحب نہایت کرب میں مبتلا ہو گئے۔ اس حقیقت کا اظہار انھوں نے انوار ساطعہ پر لکھی جانے والی تقریظ میں یوں کیا۔

"تمام بلاد ممالک ہند مثلاً بنگال و بہار و مدراس و دکن و گجرات و بمبئی و پنجاب و راجپوتانہ و رامپور و بہاول پور وغیرہ سے متواتر اخبار حیرت انگیز حسرت خیز اس قدر آتی ہیں کہ جس کو سن کر فقیر کی طبیعت نہایت ملول ہوتی ہے۔ اس کی علت یہی براہین قاطعہ و دیگر ایسی ہی تحریرات ہیں۔ یہ آتش فتنہ انوار ساطعہ کی تردید سے مشتعل ہوئی کہ تمام عالم اس کی حمایت میں کھڑا ہو گیا۔ اللہ تعالیٰ نے اس کو کچھ ایسی قبولیت عطا فرمائی کہ تمام ممالک کے علماء و مفتیوں نے ساری کتاب کو تہ دل سے پسند فرما کر اس پر اتفاق کیا۔"

(انوار ساطعہ، صفحہ 319 مکتبہ مجتبائی)

حاجی امداد اللہ صاحب کی مذکورہ تحریر سے یہ بات بالکل واضح ہے کہ انوار ساطعہ کو اللہ تعالیٰ نے مقبولیت عامہ عطا فرمائی ہے اور تمام ممالک کے علماء نے اس سے اتفاق کیا اور اسے پسند کیا ہے۔ انوار ساطعہ کے بارے میں جو گواہی حاجی صاحب دے رہے ہیں کیا کوئی فرزند دیو بند اس کی تکذیب کر سکتا ہے؟ اگر نہیں تو سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیوں نہ اتحاد واتفاق کی خاطر براہین قاطعہ کو دریا برد کر دیا جائے۔ کیوں کہ ہم دیکھ رہے ہیں بلکہ حاجی صاحب گواہی دے رہے ہیں کہ تمام ممالک کے علماء انوار ساطعہ کی حمایت میں ہیں تو پھر ایسا موقف ہی کیوں اختیار کیا جائے جس سے عالم اسلام کے علماء متفق نہ ہوں اور اس سے انتشار کے سوا کچھ حاصل نہ ہو؟ اور پھر حاجی صاحب کے بقول اللہ تعالیٰ نے براہین قاطعہ کے مقابلہ میں انوار ساطعہ کو مقبولیت عطا فرمائی۔ عقیدہ تو وہی گلے لگانے کے لائق ہے جسے بارگاہ احکم الحاکمین سے مقبولیت کی سند حاصل ہوئی ہو۔

بہر حال! مذکورہ حقائق سے یہ بات بالکل واضح ہو گئی کہ حاجی امداد اللہ صاحب، عرس، میلاد، قیام، صلوۃ و سلام، فاتحہ وغیرہ کے قائل تھے اور ان امور کے سلسلہ میں انہوں نے فیصلہ ہفت مسئلہ نامی کتاب لکھی نیز اپنے مرید کی کتاب انوار ساطعہ پر تقریظ لکھی اور

اسکے استدلال کو صحیح ٹھہرایا۔

کیا بدعتی کو پیر بنایا جاسکتا ہے؟

اب ایک بہت بڑا سوال علماء دیوبند کے سامنے کھڑا ہوجاتا ہے کہ اگر واقعی یہ امور (فاتحہ، میلاد، قیام، عرس وغیرہ) علمائے دیوبند کے نزدیک بدعت وحرام ہیں اور قرآن وسنت سے ان کی کوئی اصل ثابت نہیں ہے اور ان امور کے مرتکب بدعتی ومرتکب حرام ہیں تو انہیں معمولات کے قائل اور عامل حاجی امداداللہ صاحب مہاجر مکی، بدعتی ومرتکب حرام کیوں نہیں ہیں؟

اگر جواب اثبات میں ہوتو سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ مولوی رشید گنگوہی، مولوی اشرف علی تھانوی، مولوی قاسم نانوتوی نے ایک بدعتی کو اپنا شیخ ومرشد کیسے بنالیا؟ جو شخص خود راہ راست پر نہ ہو وہ دوسروں کو کیا منزل مقصود تک پہنچائے گا؟ نیز بدعت وحرام افعال کا ارتکاب کر کے حاجی صاحب جنید بغدادی سے افضل کیسے ہوگئے؟ رحمۃ للعلمین کے اعلیٰ منصب پر فائز کیسے ہوگئے؟ اور اتنے بڑے شیخ العرب والعجم کیسے ہوگئے؟ کہ تھانوی صاحب ان کی کرامتوں کا دنیا کو قائل کرنے کے لئے کرامتوں کا مجموعہ تیار کریں۔ اور اگر جواب نفی میں ہوتو عامۃ المسلمین انہیں معمولات کی بنیاد پر بدعتی، جاہل، قبر پرست، قبوری شریعت کے حامل کیوں ٹھہرائے جاتے ہیں؟

بالکل اسی نوعیت کا سوال تھانوی صاحب کے ایک ارادت مند نے خود تھانوی صاحب سے کیا تھا۔ سائل کے ذہن میں بھی یہی کشمکش تھی کہ پیر ومرشد جن امور کے قائل ہیں انہی امور کو آپ لوگ بدعت وحرام اور شرک تک کہتے ہیں۔ ساتھ ہی سائل نے یہ بھی پوچھا تھا کہ شیخ کے معمولات کو بدعت وضلالت قرار دینے کا شیخ پر کیا اثر ہوا؟ تھانوی صاحب نے اس سوال کا جواب دیا اسے پڑھ کر آپ کو ماتم کرنے کو جی چاہے گا۔ تھانوی صاحب کی آخری تالیف ''بوادر النوادر'' سے میں سوال وجواب نقل کر رہا ہوں۔ ملاحظہ فرمائیے۔

''سوال۔ شبہ اول یہ ہے کہ حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے بعض معتقدات ومعمولات جوان کے رسالہ فیصلہ ہفت مسئلہ سے یا تقریظ مندرج رسالہ ''در منظم'' سے یا بعض دیگر فتوی ہم مضمون رسالہ مذکورہ پر

دستخط اور مہر ہونے سے یا ان معتقدات و معمولات کی نسبت بعض اشخاص معتمد کی چشم دید اور گوش زد احوال واقوال بیان کرنے سے ثابت ہوتے ہیں۔ آیا واقعی تھے یا یہ اقوال وافعال بخلاف اپنے ذاتی عقیدے کے کسی مصلحت پر مبنی تھے؟ و برعایت شریف واہالیان مکہ معظمہ وغیرہ حضرات سے سرزد ہوتے تھے؟ اگر بخلاف عقیدہ واقعی کے تھے تو یہ صورت تقیہ کی اور شعار روافض ہے جو حضرت کے کمالات ظاہری و باطنی کے بالکل منافی ہے۔ اور اگر موافق عقیدہ واقعی تھے تو ان حضرات کے جو حضرت سے واسطہ ارادت وخلافت رکھتے ہیں ان معتقدات اور معمولات کو بدعت وضلالت کہنے کا حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ پر کیا اثر ہوا؟ اور ان حضرات کے حق میں کیا نتیجہ پیدا ہوا؟''

(بوادر النوادر، جلد اوّل، صفحہ 195/196 مطبوعہ زمزم بک ڈپو دیوبند)

اس سوال نامہ میں چند امور دریافت کئے گئے ہیں۔

س (۱) جو امور حاجی صاحب نے فیصلہ ہفت مسئلہ میں بیان کئے مثلاً میلاد، قیام، فاتحہ، عرس، وغیرہ وہ کیا واقعی حاجی صاحب کے عقائد ہیں؟

(۲) یا پھر حاجی صاحب کے اصل عقائد وہ نہ تھے جو فیصلہ ہفت مسئلہ میں بیان کئے گئے ہیں (یا حاجی صاحب نے اس موضوع پر لکھی جانے والی کتابوں پر جو تصدیق کی ہے) مگر کسی مصلحت کی بنیاد پر یا شریف مکہ معظمہ (واضح رہے کہ اس وقت حرمین شریفین پر اہلسنت وجماعت کی حکومت تھی اور وہاں میلاد، قیام، فاتحہ، وغیرہ بلانکیر جاری تھے۔ خود شریف مکہ بھی ان چیزوں کے قائل تھے) اہل مکہ معظمہ کی رعایت سے ایسا کرتے تھے؟ لیکن اس دوسری صورت کو سائل نے تقیہ قرار دیا اور حاجی صاحب کے مقام ومرتبہ کے خلاف بتایا۔

(۳) پھر سائل نے یہ پوچھا ہے کہ اگر حاجی صاحب کے عقائد ومعمولات وہی ہیں جو فیصلہ ٔ ہفت مسئلہ میں بیان کئے گئے ہیں تو وہ لوگ (مولوی رشید احمد گنگوہی، مولوی قاسم نانوتوی، مولوی اشرف علی تھانوی) جو حاجی صاحب کے مرید اور خلیفہ ہیں اور انھوں نے ان امور کو بدعت وضلالت قرار دیا تو حاجی صاحب پر اس کا کیا اثر ہوا؟

اب تھانوی صاحب کا جواب ملاحظہ فرمائیے۔

"جواب:-شبہ اول کا جواب ہے۔ حضرت حاجی صاحب کے وہی عقائد ہیں جو اہل حق کے ہیں۔ اور حضرت کا ان اعمال (فاتحہ، عرس، میلاد، سلام، قیام) میں شریک ہونا یا تحریراً اور تقریراً اذن فرمانا نعوذ باللہ منی فساد عقیدہ پر نہیں ہے نہ تقیہ پر ہے بلکہ چونکہ یہ اعمال (فاتحہ، میلاد، سلام، قیام) فی نفسہا جائز ہیں۔ ان کو جائز سمجھ کر کرتے تھے اور کہتے تھے۔۔۔۔۔۔ اور جو لوگ بدعت وضلالت کہتے ہیں نفس اعمال کو نہیں کہتے کہ حضرت پر اثر پہنچے بلکہ مفاسد کو کہتے ہیں جس سے حضرت خود بری ہیں۔ پس حضرت کے قول وفعل کا خلاصہ یہ نکلا کہ یہ افعال بلا مفاسد جائز ہیں۔ اور فتاویٰ علماء کا حاصل یہ ہوا کہ یہ افعال مع المفاسد نا جائز ہیں۔ سو اس میں کچھ اختلاف نہ ہوا۔"

(بوادر النوادر، صفحہ 198 مطبوعہ زمزم بک ڈپو دیوبند)

دیکھ رہے ہیں آپ۔۔۔!!! اپنے موقف کو اپنے شیخ پر کتنی کشادہ قلبی سے تصدق کر رہے ہیں تا کہ شیخ پر کچھ اثر نہ پہنچے۔ اب تو شیخ کے صدقہ میں بے شمار مسلمان "بدعتی" کے طعنے سے نجات پا جائیں گے۔ خدا حاجی صاحب کی قبر پر رحمتوں کی بارش فرمائے۔

جو لوگ تقریباً ایک صدی سے ان امور کو لے کر ہم سے جنگ کر رہے ہیں اور بدعتوں سے معاشرہ کو پاک کرنے کا کریڈٹ حاصل کر رہے ہیں۔ انہیں کے حکیم الامت اپنے شیخ کو الزام بدعت سے بچانے کے لئے صاف کہہ رہے ہیں کہ "یہ اعمال فی نفسہا جائز ہیں۔ اور جو چیز بدعت وضلالت ہے وہ مفاسد ہیں۔" تھانوی صاحب کے جواب کے اس حصہ کو ذرا دوبارہ پڑھیے

"چونکہ یہ اعمال فی نفسہا جائز نہیں۔ ان کو جائز سمجھ کر کرتے تھے اور کہتے تھے۔۔۔۔۔۔ اور جو لوگ بدعت وضلالت کہتے ہیں نفس اعمال کو نہیں کہتے کہ حضرت پر اثر پہنچے بلکہ مفاسد کو کہتے ہیں۔"

اپنے پیر و مرشد کو الزام بدعت سے بچانے کے لئے یہاں تھانوی صاحب نے

جس حقیقت کا اعتراف کیا ہے اس سے آپ واضح طور پر محسوس کر رہے ہوں گے کہ یہاں پہنچ کر علمائے دیوبند کا موقف (عدم جواز کا فتویٰ) کتنا کمزور پڑ گیا۔ اگر یہی حقیقت ہے تو علمائے دیوبند ان امور کو لے کو جنگ وجدال کیوں کرتے ہیں؟ مسلمانوں کو بدعتی وقبر پرست کیوں قرار دیتے ہیں؟ ان کے اسٹیج سے ان امور کے سلسلہ میں زہر کیوں اگلا جاتا ہے؟ شیخ کے حوالہ سے جو حقیقت تسلیم کی گئی ہے اگر وہی نرم موقف علمائے دیوبند اختیار کریں تو اختلاف کی خلیج بہت حد تک کم ہوسکتی ہے۔ مگر ہم نے علمائے دیوبند کی زبانی کبھی نہیں سنا کہ مفاسد سے بچ کر فاتحہ، میلاد، قیام عرس جائز ہے۔ اور کرنے میں کوئی قباحت نہیں ہے۔ اس کے برعکس وہ انہی اعمال کے سلسلہ میں جو فی نفسہا جائز ہیں ایسا سخت رویہ اختیار کرتے ہیں گویا مسلمان کفر کر رہے ہوں۔

اب رہی بات ان مفاسد کی جس کا ذکر تھانوی صاحب نے کیا کہ مع المفاسد ناجائز ہیں تو یہ مفاسد کیا ہیں؟ اس کی تھوڑی وضاحت میں ضروری سمجھوں گا۔ مفاسد سے مراد محفل میلاد کے لئے یا فاتحہ کے لئے دن مقرر کرنا، مجمع اکٹھا کرنا، شیرینی تقسیم کرنا، قیام کرنا اور ان سب چیزوں کو واجب سمجھنا وغیرہ علمائے دیوبند کے نزدیک مفاسد ہیں جس سے یہ امور بدعت وضلالت ہوجاتے ہیں۔

اگر جائز اعمال میں کچھ ناجائز امور شامل ہوجائیں تو قاعدہ یہ ہے کہ اصل عمل سے نہ روکتے ہوئے غلط باتوں کی اصلاح کرنی چاہیے۔ یہ قاعدہ بھی علمائے دیوبند کی خاطر ان کے رحمۃ للعلمین نے بیان کردیا۔ چنانچہ اپنی کتاب فیصلہ ہفت مسئلہ میں حاجی امداد اللہ صاحب لکھتے ہیں۔

"رہا عوام کا غلو تو اولاً اس کی اصلاح کرنی چاہیے۔ اس عمل سے کیوں منع کیا جائے۔ ثانیاً اس کا غلو اہل فہم کے فعل میں موثر نہیں ہوسکتا۔"

(فیصلہ ہفت مسئلہ)

گنگوہی صاحب اور تھانوی صاحب کے پیر ومرشد نے یہ ہدایت فرمائی لہذا علمائے دیوبند کے لئے مجال انکار نہیں ہے۔ اس کے باوجود بھی اگر علمائے دیوبند کو یہ قاعدہ تسلیم نہ ہو تو تقریب فہم کے لئے میں ان سے ایک سوال کرتا ہوں کہ نکاح جو کہ ایک عظیم سنت

ہے۔لیکن آج اس سنت کی ادائیگی میں بہت سارے مفاسد شامل ہوگئے ہیں۔ مثلاً (۱) ہلدی کی رسم جس میں غیر محرم عورتیں دولہے کے جسم پر ہلدی رگڑتی ہیں۔ (۲) بارات میں آتش بازی کی جاتی ہے (۳) بارات میں بینڈ باجے، ڈھول مجیرے اور میوزک کا اہتمام کیا جاتا ہے (۴) فوٹو گرافی کی جاتی ہے (۵) جوتا چوری کیا جاتا ہے (۶) دولہا، دلہن کے گھر میں بے شمار غیر محرم عورتوں کے درمیان سلام کرنے جاتا ہے (۷) مکانوں میں شادی کے موقع پر قمقمے لگائے جاتے ہیں (۸(خوبصورت کارڈ خطیر رقم سے چھپائے جاتے ہیں (۹) ولیمہ کے وقت عورتوں اور مردوں کا خلط ملط جس میں عورتیں بن ٹھن کے بے حجاب آتی ہیں (۱۰) دیگر فضول خرچیاں کی جاتی ہیں۔

بتایئے یہ مفاسد نکاح کی ادائیگی میں شامل ہیں یا نہیں؟ اور ان مفاسد کی قباحت فاتحہ، میلاد وغیرہ کے مفاسد سے بڑھی ہوئی ہے یا نہیں؟ لیکن کوئی دیوبندی عالم یہ فتویٰ کیوں نہیں دیتا کہ نکاح کی ادائیگی اب بند کردی جائے اس لئے کہ مفاسد کے شامل ہونے سے ایک جائز عمل بدعت وحرام ہوگیا؟

مولوی رشید احمد گنگوہی کا موقف. حاجی امداد اللہ صاحب کے معمولات سے متعلق جس طرح سے تھانوی صاحب سے سوال کیا گیا تھا اسی طرح مختلف مواقع پر مولوی رشید گنگوہی سے بھی سوال کیا گیا تھا۔ تھانوی صاحب نے تو جواب دیتے وقت اپنے پیرومرشد کو بچانے کی حتی المقدور کوشش کی تھی لیکن مولوی رشید گنگوہی اس معاملہ میں بہت سخت تھے۔ اس سوال پر جو جواب انھوں نے دیا وہ بھی ملاحظہ فرمایئے۔

سائل میلاد پڑھنے اور پڑھوانے کے متعلق تفصیل سے پوچھتا ہے اور اخیر میں حاجی صاحب کے معمول کا ذکر کرتا ہے۔

"اور سنا ہے کہ آپ کے پیر صاحب حاجی امداد اللہ صاحب بھی مولود سنتے ہیں جواب تفصیل سے فرمایئے۔"

جواب :۔مجلس مولود کا مفصل ذکر براہین قاطعہ میں دیکھو اور حجت قول وفعل مشائخ سے نہیں ہوتی بلکہ قول وفعل شارع علیہ الصلوٰۃ والسلام سے اور اقوال مجتہدین رحمہم اللہ سے ہوتی ہے۔۔۔۔۔۔۔۔لہذا جناب حاجی

صاحب سلمہ اللہ کا ذکر کرنا سوالات شرعیہ میں بیجا ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

(فتاویٰ رشیدیہ ص-117 مکتبہ تھانوی دیوبند)

گنگوہی صاحب نے جو فرمایا کہ مشائخ کے قول وفعل سے حجت نہیں ہوتی بالکل صحیح فرمایا لیکن سوال یہ ہے کہ اس بات کا قائل کون ہے کہ ان امور کی اصل نہ قرآن سے ثابت ہیں اور نہ حدیث سے۔ بلکہ حاجی امداد اللہ صاحب کرتے ہیں اس لئے یہ جائز ہیں۔ اور ہمارے لئے حجت ہیں؟ یہاں تو حال یہ ہے کہ علماء اہل سنت وجماعت قرآن وسنت کی رو سے ان اعمال کو جائز قرار دیتے ہیں اور آپ لوگ اسے ناجائز اور بدعت قرار دیتے ہیں۔ تو اب حاجی صاحب کے عمل کا حوالہ دینا یا ذکر کرنا اس غرض سے ہوتا ہے کہ حاجی صاحب کے نزدیک بھی جواز کے دلائل صحیح ہیں۔ اگر علماء اہل سنت کے دلائل غلط ہوتے اور گنگوہی صاحب کے دلائل صحیح ہوتے تو حاجی صاحب گنگوہی صاحب کی تائید کرتے۔ لیکن ان کا قائل ہونا اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ جواز کے دلائل ان کے نزدیک صحیح ہیں۔ اب یہ حقیقت آپ کو سمجھ میں آگئی ہوگی کہ سوالات شرع میں حاجی صاحب کا ذکر کرنا بے جا نہیں ہے بلکہ اس بات کے اظہار کے لئے ہے کہ ہم کس کی دین فہمی پر اعتماد کریں؟ حاجی صاحب کی یا گنگوہی صاحب کی؟

بہر حال! حاجی صاحب کا یا کسی اور بزرگ کا اختلافی امور میں حوالہ دینا ہرگز یہ معنیٰ نہیں رکھتا کہ یہ امور قرآن وسنت سے ثابت نہیں ہیں بلکہ صرف مذکورہ بزرگ کا عمل ہمارے لئے حجت ہے۔ بلکہ اس کا یہ معنیٰ ہے کہ اگر دو گروہ مختلف رائے رکھتے ہوں اور کوئی بزرگ کسی ایک طرف ہوں تو سامنے والوں کو یہ احساس دلا دیا جائے کہ اگر تمہارا موقف صحیح ہوتا تو تمہارے بزرگ سمت مخالف کو کیوں اختیار کرتے؟

فتاوی رشیدیہ میں اسی طرح ایک سوال حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی کے حوالہ سے بھی پوچھا گیا ہے مگر یہاں گنگوہی صاحب جس انداز میں جواب دیتے ہیں اس سے صاف محسوس ہوتا ہے کہ شاہ عبدالعزیز جیسی عظیم شخصیت سے مرعوب ہو کر بیان کا لب ولہجہ بہت نرم اختیار کیا گیا ہے۔ سوال وجواب ملاحظہ فرمائیے۔

''سوال:- مولود شریف اور عرس کہ جس میں کوئی بات خلاف شرع نہ ہو

جیسے کہ حضرت شاہ عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کیا کرتے تھے آپ کے نزدیک جائز ہے یا نہیں؟ اور شاہ صاحب واقعی مولود اور عرس کرتے تھے یا نہیں؟

جواب:- عقد مجلس مولود اگر چہ اس میں کوئی امر غیر مشروع نہ ہو مگر اہتمام وتداعی اس میں بھی موجود ہے لہذا اس زمانہ میں درست نہیں۔ وعلی ھذا عرس کا جواب ہے۔ بہت اشیاء میں کہ اول مباح تھی پھر کسی وقت میں منع ہوگئی، مجلس عرس ومولود بھی ایسا ہی ہے۔" (فتاویٰ رشیدیہ، ص-115)

یہاں نہ حرام کہا جارہا ہے اور نہ بدعت بلکہ صرف "درست نہیں" کہہ کر شاہ صاحب کے روحانی عتاب سے بچنے کی کوشش کی گئی ہے اور جواب میں یہ صراحت کہ "بہت اشیاء میں کہ اول مباح تھی پھر کسی وقت میں منع ہوگئی، مجلس عرس ومولود بھی ایسا ہی ہے۔" یہاں بھی شاہ صاحب کا نام تو نہیں لیا گیا مگر جواب کے الفاظ بتارہے ہیں کہ شاہ صاحب کو الزام بدعت سے بچایا جارہا ہے۔ یعنی عرس ومولود شاہ صاحب کے وقت جائز تھے اور اب منع ہوگئے۔

قارئین کرام! علماء دیوبند کے بدلتے ہوئے فتویٰ کا رنگ ملاحظہ فرمارہے ہیں کہ وہ امور جن کے بدعت وحرام ہونے پر ایک زمانہ سے علماء دیوبند جنگ کررہے ہیں مناظرے کررہے ہیں کتابیں لکھ رہے ہیں۔ لیکن جب بزرگوں کے حوالہ سے انہی امور کے متعلق پوچھا گیا تو حرام وبدعت کا فتویٰ "فی نفسہ جائز ہے" اور "درست نہیں" میں تبدیل ہوگیا۔

شاہ ولی اللہ محدث دھلوی کا موقف

شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی کا ذکر کیا گیا تو فتویٰ کی ساری سختی جاتی رہی۔ آپ کو شاید معلوم ہوگا کہ شاہ عبدالعزیز کے والد گرامی شاہ ولی اللہ محدث دہلوی بھی عرس ومیلاد وغیرہ کے قائل تھے۔ چنانچہ ایک غیر مقلد مولوی نے 'اسلام میں بدعت وضلالت کے محرکات' نامی کتاب لکھی ہے۔ جو دارالداعی، ریاض، سعودی عربیہ سے شائع ہوئی ہے۔ اس میں شاہ ولی اللہ صاحب کی کتاب 'ہمعات' سے ایک عبارت نقل کی گئی ہے۔

"فنافی المشائخ کی نسبت کے سلسلہ میں مشائخ کے عرسوں کا قیام، ان کی قبروں کی

پابندی سے زیارت کرنا، وہاں جا کر فاتحہ پڑھنا، ان کی ارواح کے نام سے صدقہ دینا، ان کے آثار وتبرکات، ان کی اولاد اوران کے متعلقین کی تعظیم وتکریم کرنے میں پورا پورا اہتمام کرنا۔ یہ سب امور شامل ہیں۔''

(ہمعات، شاہ ولی اللہ دہلوی، ص 24)

اس پر تبصرہ کرتے ہوئے غیر مقلد مولوی لکھتا ہے۔

''ذرا غور فرمایئے جب شاہ ولی اللہ محدث دہلوی جیسی متبحر علمی شخصیت مشائخ کے عرسوں کے انعقاد کی حامی اوران کے آثار وتبرکات اور متعلقات تعظیم وتکریم کا پورا پورا اہتمام کرنے کی تلقین کرتی ہو تو پھر ایسی صورت میں ان تمام باتوں کو خلاف شرع اور بدعت بتانے والے علماء کی باتوں کو اہمیت کون دے گا۔'' (اسلام میں بدعت وضلالت کے محرکات، ص 247)

ہمعات کے حوالے سے اگر گنگوہی صاحب سے سوال کیا جاتا تو شاید ان کے قلم کی روشنائی خشک ہو جاتی۔

بحث کا خلاصہ

یہاں اس طویل بحث سے میرا مدعا ان اعمال کا جواز ثابت کرنا نہیں ہے اس لئے کہ ان اعمال کے جواز اور عدم جواز پر فریقین کی جانب سے سینکڑوں کتابیں لکھی جا چکی ہیں۔ یہاں میرا مدعا صرف یہ ہے کہ جب علماء دیوبند کے نزدیک بھی یہ امور فی نفسہ جائز ہیں اور ممانعت میں زیادہ سے زیادہ جو فتویٰ ہے وہ 'درست نہیں' کا ہے تو پھر علماء دیوبند ان امور کو لے کر اس قدر شدت پسند کیوں ہیں؟ بدعت بدعت کا وظیفہ کیوں جپا جاتا ہے؟ اور اس طرح سے شب وروز واویلا اور مسلم معاشرہ میں اختلاف وانتشار کیوں پیدا کیا جاتا ہے؟

ماحول کی گرمی کو کچھ سرد کرنے کے لئے علماء دیوبند کو اپنے رویہ میں نرمی لانی چاہئے اور ان امور کو بدعت وحرام کہنے سے اجتناب کرنا چاہئے۔ یہ مطالبہ میں صرف جذبۂ حق پسندی میں عوام اہل سنت کی خاطر نہیں کر رہا ہوں بلکہ میں یہ کہنا چاہ رہا ہوں کہ ماحول کی گرمی کو کچھ سرد کرنے کے لئے علماء دیوبند کو اپنے اعلیٰ حضرت کی خاطر، اپنے رحمۃ للعالمین کی خاطر، اپنے حجۃ اللہ فی الارض کی خاطر، اجتناب کرنا چاہئے کہ اگر ان امور کو بدعت وحرام کہا

گیا تو براہ راست حاجی امداد اللہ صاحب پر اثر پہنچے گا، اور وہ بھی بدعتی و فاسق ٹھہریں گے۔ اور ظاہر ہے کہ جو رحمۃ للعالمین ہوگا وہ بدعتی و فاسق کیوں کر ہو سکتا ہے؟

لہذا علماء دیوبند کو میں مخلصانہ مشورہ دوں گا کہ وہ ان امور و مسائل میں اپنی زبان وقلم کی توانائی نہ صرف کریں اور ان کی بجائے ان کے لئے بہتر ہوگا کہ ان منکرات و منہیات کے خلاف جد و جہد کریں جن کے حرام و بدعت ہونے پر علماء بریلی اور علماء دیوبند دونوں متفق ہیں۔ عرس وغیرہ میں بہت ساری ایسی باتیں ہوتی ہیں جن سے علماء اہل سنت خود بیزار ہیں اور اسے حرام و ناجائز قرار دیتے ہیں۔ مثلاً عورتوں کا مزارات پر جانا، مزامیر اور قوالی وغیرہ ایسے بہت سارے امور ہیں جن کے حرام ہونے پر علماء بریلی بھی متفق ہیں۔ (تفصیل کے لئے دیکھے مفکر اسلام حضرت مولانا یٰسین اختر مصباحی صاحب کی کتاب 'امام احمد رضا اور رد بدعات و منکرات') اسی طرح آج ہمارے معاشرے میں اور بھی بے شمار برائیاں ہیں۔ مثلاً ترک نماز، فلم بینی، گانوں کا شوق، حسد، بغض، چغل خوری، گالی گلوج، فضول خرچی، ناجائز رسوم، بے پردگی، بے حیائی، ناجائز ذریعہ معاش وغیرہ جن کی اصلاح کے لئے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے جذبے کے ساتھ میدان عمل میں آنے کی شدید ضرورت ہے اور یہ منکرات کی ایسی فہرست ہے جس پر ہر دو مکتب فکر کا اتفاق ہے۔ لہذا دونوں گروہ کے علماء کو ان برائیوں کے خاتمہ کے لئے اپنے اپنے طور پر جہد کرنی چاہیئے۔

بہر حال! علماء دیوبند کو جو شکایت علماء بریلی سے ہے کہ علماء بریلی بدعتوں (عرس، میلاد، قیام وغیرہ) میں مبتلا ہیں، اس کا ہم نے تفصیل سے جائزہ لیا۔ اور علماء دیوبند کی کتابوں سے ہی یہ ثابت کر دیا کہ جن باتوں کو علماء دیوبند بدعت و حرام قرار دیتے ہیں خود ان کے اکابر ان تمام امور و معمولات کے جواز کے قائل ہیں۔ لہذا ان امور کو لے کر شدت اختیار کرنے کا کوئی جواز نہیں پیدا ہوتا ہے۔

اصل اختلاف کیا ہے؟

اب ہمیں اس بات کا جائزہ لینا ہے کہ علماء بریلی کو علماء دیوبند سے کیا شکایت ہے۔ یہ شکایت اتنی سنگین ہے کہ جسے سننے کے بعد شاید آپ کو یقین نہ آئے۔ دراصل علماء بریلی کو یہ

شکایت ہے کہ علماء دیوبند میں سے بعض نے اپنی اپنی کتابوں میں انبیاء کرام، اولیاء عظام خصوصاً حضور رحمت عالم سرکار کائنات پیغمبر اسلام ﷺ کی شان ارفع واعلیٰ میں توہین کی ہے مگر علماء دیوبند کی جانب سے اس بات کا شدت سے انکار کیا جاتا ہے اور وہ اپنے آپ کو اس سے بری سمجھتے ہیں۔ علماء بریلی جن عبارتوں کی بنیاد پر علماء دیوبند پر توہین رسالت کا الزام لگاتے ہیں وہ عبارتیں آج بھی ان کی کتابوں میں موجود ہیں جن کے بارے میں علماء دیوبند کو یہ ضد ہے کہ ان عبارتوں سے نبی اکرم ﷺ کی گستاخی یا توہین کا کوئی پہلو نہیں نکلتا۔ مگر علماء بریلی کے نزدیک وہ عبارتیں سراسر توہین رسالت پر مبنی ہیں جس کی بنیاد پر وہ علماء دیوبند کو توہین رسالت کا مرتکب قرار دیتے ہیں اور ایک زمانہ سے ان سے یہ مطالبہ کر رہے ہیں کہ وہ اس طرح کی عبارتوں سے توبہ ورجوع کرلیں اور اپنی کتابوں سے انہیں نکال دیں تا کہ اختلاف وانتشار ختم ہوسکے۔

یہ ہے اصل اختلاف......!!!اور یہ ہے انتشار کا اصل سبب...!

واضح رہے کہ علماء بریلی اور علماء دیوبند دونوں اس بات پر متفق ہیں کہ نبی اکرم ﷺ کی ادنی گستاخی ایک مومن کو دائرہ اسلام سے نکال دیتی ہے اور وہ کافر ومرتد ہوجاتا ہے۔ لیکن جھگڑا یہی ہے کہ جو عبارتیں علماء بریلی کے نزدیک توہین آمیز ہیں وہ علماء دیوبند کے نزدیک ہرگز توہین آمیز نہیں ہیں۔

لہٰذا ''راہ اتحاد'' کی دوسری قسط میں ان عبارتوں کو میں مع حوالوں کے پیش کروں گا اور فیصلہ آپ کو کرنا ہے کہ علماء بریلی کا الزام صحیح ہے یا نہیں؟ لیکن اس امر میں میں ایک گذارش آپ سے ضرور کروں گا کہ حق وانصاف کے تقاضوں کو ملحوظ رکھتے ہوئے ہی آپ کا فیصلہ ہونا چاہئے۔ اور فیصلہ کی بنیاد صرف اور صرف محبتِ نبی ﷺ کو بنایا جانا چاہئے۔ کسی مولوی کی شہرت سے متاثر ہو کر یا مسلکی عصبیت کے زیر اثر آپ ہرگز صحیح فیصلہ نہیں کر سکتے، صحیح فیصلے کے لئے محمد عربی ﷺ کے مقام ومرتبہ کے حوالہ سے آپ علماء دیوبند کی ان عبارتوں اور واقعات کا مطالعہ کریں اور غیر جانبدارانہ فیصلہ کریں کہ مجرم کون ہے؟

قصیدہ

از: حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی

ذرا چہرہ سے پردہ کو اٹھاؤ یا رسول اللہ
مجھے دیدار تم اپنا دکھاؤ یا رسول اللہ

کرو روئے منور سے میری آنکھوں کو نورانی
مجھے فرقت کی ظلمت سے بچاؤ یا رسول اللہ

اگرچہ نیک ہوں یا بد تمہارا ہو چکا ہوں میں
بس اب چاہے ہنساؤ یا رلاؤ یا رسول اللہ

پھنسا ہوں سب طرح گرداب غم میں، ناخدا ہو کر
مری کشتی کنارے پر لگاؤ یا رسول اللہ

اگرچہ ہوں نہ قابل وہاں کے پر امید ہے تم سے
بس اب چاہو ڈباؤ یا تراؤ یا رسول اللہ

پھنسا کو
بس اب قید دو عالم سے چھڑاؤ یا رسول اللہ

(یہ اشعار حلقۂ دیوبند کے اعلیٰ حضرت اور مولوی رشید احمد گنگوہی، مولوی اشرف علی تھانوی اور مولوی قاسم نانوتوی کے شیخ اور پیر و مرشد حاجی امداد اللہ صاحب کے ہیں۔ جن میں نداء یا رسول اللہ ﷺ بھی ہے۔ اور غیر اللہ سے مدد بھی طلب کی گئی ہے۔ اور رسول اکرم ﷺ کو مالک و مختار بھی تسلیم کیا گیا ہے۔ اور شفاعت کا سوال بھی ہے۔ جب کہ یہ ساری باتیں دیوبندی شریعت کے سراسر خلاف ہیں۔)

نعت شریف

از: حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی

اچھا ہوں یا برا ہوں، غرض جو کچھ بھی ہوں سو ہوں
پر ہوں تمہارا، تم مرے مختار یا رسول

جس دن تم عاصیوں کے شفیع ہو گے پیش حق
اس دن نہ بھولنا مجھے، زنہار یا رسول

تم نے بھی گر نہ لی خبر اس حال زار کی
اب جائے کہاں بتاؤ یہ لاچار یا رسول

دونوں جہاں میں مجھ کو وسیلہ ہے آپ کا
کیا غم ہے گرچہ ہوں میں بہت خوار یا رسول

کیا ڈر ہے اس کو لشکر عصیاں وجرم سے
تم سا شفیع ہو جس کا مددگار یا رسول

ہو آستانہ آپ کا امداؔد کی جبیں
اور اس سے زیادہ کچھ نہیں درکار یا رسول

(حلقۂ دیوبند کے رحمۃ اللعالمین کے ان اشعار میں سب کچھ ہے
جس کی دیوبندی شریعت میں کوئی گنجائش نہیں۔)

منقبت درشان نور محمد جھنجھانوی

از: حضرت حاجی امداداللہ مہاجر مکی

تم ہو اے نور محمد خاص محبوب خدا ہند میں ہو نائب حضرت محمد مصطفیٰ
تم مدد گار امداد کو پھر خوف کیا عشق کی پرسن کے باتیں کانپتے ہیں دست وپا
اے شہ نور محمد، وقت ہے امداد کا
جام الفت سے ترے میں ہی نہیں جرعہ نوش سیکڑوں در پر ترے مدہوش ہیں اے مے فروش
دل میں ہے ان کے بھرا ایک بادۂ وحدت کا جوش پر یہی کہہ کر اٹھے ہیں جب ہے آیا ان کو ہوش
اے شہ نور محمد، وقت ہے امداد کا
آسر دنیا میں از بس تمہاری ذات کا تم سوا اوروں سے ہرگز کچھ نہیں ہے التجا
بلکہ دن محشر کے بھی جس وقت قاضی ہو خدا آپ کا دامن پکڑ کر یہ کہوں گا بر ملا
اے شہ نور محمد، وقت ہے امداد کا

(امدادالمشتاق، ص-116/115)

(نور محمد جھنجھانوی صاحب، حاجی امداداللہ صاحب کے پیرومرشد تھے۔ ان کی شان میں حاجی صاحب نے یہ اشعار کہے ہیں جن میں انہوں نے اپنے پیر سے مدد طلب کی ہے ”اے شہ نور محمد وقت ہے امداد کا“ اور دنیا وآخرت میں اپنے پیر ہی کو مددگار اور مشکل کشا سمجھتے ہیں۔ حتیٰ کہ روز محشر جب خدائے قدیر وجبار اعمال کی بنیاد پر جزاوسزا کے فیصلے سنا رہا ہوگا اس وقت بھی حاجی امداداللہ صاحب اپنے پیر نور محمد جھنجھانوی کا دامن پکڑ کر اللہ کے سامنے غیر اللہ سے مدد طلب کریں گے۔ ”اے شہ نور محمد وقت ہے امداد کا“ اس طرح سے حاجی امداداللہ صاحب نے اپنے مریدوں (مولوی رشید گنگوہی، مولوی اشرف علی تھانوی اور مولوی قاسم نانوتوی) کے خودساختہ عقائد کی دھجیاں بکھیر دی ہیں۔)